ہار جیت کے فیصلے کا دن

درسِ قرآن سورۂ تغابن-۲

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

زَعَمَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ یُّبْعَثُوْا ط قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ط وَذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ o (التغابن ۶۴:۷) منکرین نے بڑے دعوے سے کہا کہ وہ مرنے کے بعد ہرگز دوبارہ نہ اُٹھائے جائیں گے۔ ان سے کہو: ''نہیں، میرے رب کی قسم! تم ضرور اُٹھائے جاؤ گے، پھر تمھیں ضرور بتایا جائے گا کہ تم نے (دنیا میں) کیا کچھ کیا ہے، اور ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان ہے''۔

یہ بات پہلے تفصیل کے ساتھ بیان کی جا چکی ہے کہ جو لوگ بھی آخرت کا انکار کرتے ہیں وہ اس بنا پر کرتے ہیں کہ ان کی خواہشاتِ نفس یہ چاہتی ہیں کہ ان کو دنیا میں برائیاں کرنے کی کھلی چھوٹ حاصل رہے۔ ان کے لیے کوئی مستقل اخلاقی قانون نہ ہو، نہ کوئی ایسی مستقل قدریں ہوں جن سے انحراف نہ کیا جا سکتا ہو، کیونکہ جو نیکی ہے وہ تو ہر حال میں نیکی ہی رہے گی، اسی طرح جو بدی ہے وہ بھی لازماً اور ہر حال میں بدی ہی رہے گی۔ انسان اس طرح کی قدریں ماننے سے اس لیے انکار کرنا چاہتا ہے کہ وہ اس کی خواہشاتِ نفس پر پابندیاں لگاتی ہیں۔ اسی وجہ سے وہ آخرت کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مرنے کے بعد کسی کو دوبارہ زندہ نہیں ہونا ہے۔ یہ بات وہ کسی عقلی دلیل کے ساتھ نہیں کہتا، کیونکہ اگر وہ عقل کی بنیاد پر یہ بات کہتا ہے تو اس سے سوال کیا جائے گا کہ آپ جب پہلے نہیں تھے تو وجود میں کیسے آ گئے؟ جب نہ ہونے کے بعد آپ پیدا ہو گئے تو پھر دوبارہ نہ ہونے کے بعد نہ ہونے کی آخر کیا وجہ ہے؟ اگر ناممکن ہوتا تو آپ کا پہلی مرتبہ پیدا ہونا

ناممکن ہوتا۔ جب پہلی مرتبہ پیدا ہونا ممکن ہوگیا تو پھر دوبارہ پیدا ہونا کیسے ناممکن ہے۔ چنانچہ اگر آدمی محض عقل پر بھی مدار رکھے تو وہ کبھی نہیں کہہ سکتا کہ مرنے کے بعد دوبارہ پیدا ہونا ناممکن ہے۔ لیکن چونکہ خواہش نفس یہ کہہ رہی ہے کہ اس بات کو ہرگز نہ مانو، کیونکہ اس کے ماننے سے یہ اور یہ پابندیاں تمھارے اُوپر عائد ہوجائیں گی، اس وجہ سے اپنے طور پر وہ جان چھڑانے کے لیے یہ کہتا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ پیدا ہونا ناممکن ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ان کافروں نے اپنی جگہ یہ سمجھ لیا ہے کہ وہ دوبارہ نہیں اُٹھائے جائیں گے تو ان کا یہ گمان سراسر باطل ہے۔

منکرین کے دعویٰ کی حقیقت

زعم کا مطلب ہے اپنی جگہ کسی بات کو سچ سمجھ لینا، جب کہ واقعہ نہ ہو۔ اُردو زبان میں بھی آپ کہتے ہیں تم اپنے زعم میں یہ سمجھتے ہو تو سمجھتے رہو لیکن اس سے حقیقت تو نہیں بدل جائے گی۔ چنانچہ فرمایا: قُلْ بَلٰى وَرَبِّىْ لَتُبْعَثُنَّ ، ان سے کہو کہ تم کیوں نہیں اُٹھائے جاؤ گے۔ ان سے کہو میرے رب کی قسم! تم ضرور اُٹھائے جاؤ گے۔ پھر فرمایا: ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ط وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ، پھر ضرور تمھیں بتایا جائے گا کہ تم نے (دنیا میں) کیا کچھ کیا ہے اور ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔

گویا جس چیز سے بچنے کے لیے تم اس کا انکار کر رہے ہو، وہی چیز پیش آ کر رہنی ہے۔ تم اس بات سے بچنا چاہتے ہو کہ کوئی تم سے یہ پوچھے کہ تم دنیا میں کیا کر کے آئے ہو، جو مال تم کو دیا گیا تھا اس کو کس طرح استعمال کیا، جو جسم تم کو دیا گیا تھا اس کی طاقتوں کو تم نے کس طرح استعمال کیا، جو قابلیتیں تم کو دی گئی تھیں ان کو کہاں استعمال کیا۔ غرض، ایک ایک چیز کے متعلق تم سے سوال ہونا ہے۔ تم کو یہ بتایا جائے گا کہ تم یہ یہ کچھ کر کے آئے ہو۔ تمھارا پورا نامۂ اعمال تمھارے سامنے رکھ دیا جائے گا کہ یہ تمھاری زندگی کا کارنامہ ہے ___ اور ایسا کرنا خدا کے لیے بالکل آسان ہے۔

تم اپنی جگہ سمجھتے ہو کہ تمھارا دوبارہ زندہ کر کے اُٹھا دینا بڑا مشکل کام ہے، حالانکہ اللہ کے لیے ایسا کرنا کچھ مشکل نہیں۔ اگر مشکل ہوتا تو تمھیں پہلی بار پیدا کرنا مشکل ہوتا۔ جب ایک دفعہ وہ پیدا کر چکا تو دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے کیسے مشکل ہوگا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے لیے تمام انسانوں کو اپنے سامنے بیک وقت جمع کر لینا بھی کچھ مشکل نہیں۔ یہ سب کچھ اللہ کے لیے بہت

آسان ہے۔ تمھارے سب کے نامہ ہائے اعمال کو لا کر سامنے رکھ دینا، جن میں تمھاری پوری زندگی کا کارنامہ بلاکم و کاست درج ہو، اور جو چیزیں تم بھول بھی گئے ہو گے وہ بھی اس کے اندر موجود ہوں گی۔ یہ سب کچھ تمھارے نزدیک مشکل ہوسکتا ہے مگر اللہ کے لیے نہیں۔ تم اپنی جگہ یہ سمجھ سکتے ہو کہ قیامت تک نہ جانے کتنے ارب کتنے کھرب انسان پیدا ہو چکے ہوں گے، ان سب کے کارنامے کو کون مرتب کرے گا اور کون اسے سامنے لا کر رکھے گا لیکن اللہ کے لیے یہ بالکل آسان ہوگا۔ جو خدا بیک وقت ساری کائنات کو دیکھ رہا ہے اور اس کی تدبیر کر رہا ہے، جو خدا ساری مخلوق کی باتیں ہر وقت سُن رہا ہے اور ان کا جواب دے رہا ہے اس کے لیے کیا مشکل ہے کہ تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کر کے ان کے کارنامے کو بیک وقت ان کے سامنے لا کر رکھ دے۔

اللہ کا نور

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۸۰)) پس ایمان لاؤ اللہ پر، اور اس کے رسولؐ پر، اور اُس روشنی پر جو ہم نے نازل کی ہے۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

اُوپر کے تمام دلائل پیش کرنے کے بعد یہ کہنا کہ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ، اللہ پر ایمان لاؤ، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب حقائق یہ ہیں تو اس کے بعد تمھارے لیے سیدھا راستہ یہ ہے کہ اللہ کو اور اس کے رسولؐ کو مان لو اور اس نور پر ایمان لے آؤ جو ہم نے نازل کیا ہے۔ یہاں نور سے مراد وہ روشنی ہے جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے انسان کو دی ہے۔ سمجھانا یہ مقصود ہے کہ صرف قرآنِ مجید ہی نور نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک اور آپؐ کی سنت بھی نور ہے۔ اس طرح زندگی کے تمام معاملات میں آپؐ کی چھوڑی ہوئی ہدایات بھی نور ہیں۔ ان سب چیزوں کے مجموعے کو لفظ نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ ہدایت کی وہ روشنی ہے جو کھول کھول کر بتا رہی ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے، صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے۔ اس نور کی پیروی کرو ـــــ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔

کفار کی غلط فہمی

اس مقام پر یہ مضمون اس جملے پر ختم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمام دلائل فراہم کر دیے ہیں۔ اپنا رسول بھیج کر اپنی تعلیمات پہنچا دی ہیں اور اس کے ساتھ تمھیں دعوت دے دی ہے کہ ہمارے رسولؐ کو مانو اور اس کی تعلیمات کو مانو۔ اب اس کے بعد اگر کوئی نہیں مانتا تو اللہ ماننے والوں اور نہ ماننے والوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ اگر کوئی نہیں مانتا تو وہ صرف یہ کہنے پر نہیں چھوٹ جائے گا کہ صاحب یہ دلائل تو میری عقل میں اُترے ہی نہیں تھے، اس لیے میں نے دین کو نہیں مانا تھا لیکن یہ باتیں وہ صرف انسانوں سے کہہ سکتا ہے، اللہ سے نہیں کہہ سکتا۔ اللہ تعالیٰ اس کو کھول کر بتا دے گا کہ تو نے کیوں نہیں مانا تھا۔ آپ لوگوں کے سامنے تو یہ باتیں بنا سکتے ہیں کہ دین حق کی باتیں میرے دماغ میں نہیں اُترتی تھیں لیکن اللہ کو معلوم ہے کہ آپ کے قبولِ حق سے فرار کے اسباب کیا تھے۔ آپ کی خواہشاتِ نفس اصل رکاوٹ تھیں اور آپ کے تعصّبات دراصل اس کو قبول کرنے میں مانع تھے۔ آپ نے یہ سوچا کہ اگر میں نے اس حقیقت کو مان لیا تو کنبہ اور برادری چھوٹ جائے گی، جایداد چھوٹ جائے گی، وراثت سے محروم ہوجاؤں گا، اس دین کو قبول کر کے بہت سی تکلیفیں اور مصائب مجھے پیش آسکتے ہیں، تو اس طرح کی بیسیوں رکاوٹیں آدمی کے سامنے آ کھڑی ہوتی ہیں۔ تب آدمی حق کو ماننے سے انکار کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی شخص انکار کرتا ہے تو یہ کہہ کر کرتا ہے کہ یہ دین تو میری سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس کے قبولِ حق سے انکار کے اصل وجوہ سے اچھی طرح باخبر ہے۔ وہ اس روز ان سب باتوں کی حقیقت اس پر کھول کر رکھ دے گا، ایسے دلائل اور شواہد کے ساتھ کہ آدمی ان کی تردید میں زبان نہیں کھول سکے گا۔ دنیا میں تو اس کی سخن سازی چل سکتی ہے لیکن قیامت کے روز خود اس کا اپنا نفس اس کو بتا دے گا کہ تو جھوٹا ہے، اور اللہ جس بات کی تجھے خبر دے رہا ہے، وہ برحق ہے۔

یوم التغابن

یَوۡمَ یَجۡمَعُکُمۡ لِیَوۡمِ الۡجَمۡعِ ذٰلِکَ یَوۡمُ التَّغَابُنِ ؕ وَمَنۡ یُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰہِ وَیَعۡمَلۡ صَالِحًا یُّکَفِّرۡ عَنۡہُ سَیِّاٰتِہٖ وَیُدۡخِلۡہُ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ۝ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَکَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ۹۰)-۱۰) (اس کا پتا

تمھیں اُس روز چل جائے گا) جب اجتماع کے دن وہ تم سب کو اکٹھا کرے گا۔ وہ دن ہوگا ایک دوسرے کے مقابلے میں لوگوں کی ہار جیت کا۔ اور جو اللہ پر ایمان لایا ہے اور نیک عمل کرتا ہے، اللہ اُس کے گناہ جھاڑ دے گا اور اُسے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ اُن میں رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے اور ہماری آیات کو جھٹلایا ہے وہ دوزخ کے باشندے ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور وہ بدترین ٹھکانہ ہے۔

یہ فرمایا کہ ہم نے اپنی آیات پر ایمان لانے کی جو دعوت تم لوگوں کو دی ہے اس کے جواب میں جو رویہ تم اختیار کرو گے ہم اس سے پوری طرح باخبر ہیں۔ نہ صرف یہ کہ ظاہری طور پر باخبر ہیں بلکہ اس بات سے بھی باخبر ہیں کہ کس نیت سے تم نے کیا رویہ اختیار کیا۔

اب اس کے بعد فرمایا جا رہا ہے کہ: يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ، یعنی جب اللہ تعالیٰ تمھیں اکٹھا کیے جانے کے دن میں اکٹھا کرے گا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ وہ دن ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے طے کر رکھا ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک جتنے انسان پیدا ہوں گے ان کے تمام اوّلین و آخرین کو بیک وقت اکٹھا کر کے اپنے سامنے حاضر کرے گا۔ اسے یوم التغابن کہا گیا ہے۔ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ، وہ تغابن کا دن ہوگا۔

تغابُن عربی قاعدے کے مطابق تَفَاعُل کا صیغہ ہے غَبَن سے، اور غبن کہتے ہیں چھپی ہوئی خیانت کو، وہ خیانت جو آدمی نے چھپا کر کی ہو۔ آپ اُردو زبان میں بھی غبن کا لفظ قریب قرب اسی معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ تَغَابُن کا مطلب ہے غبن کا کُھل جانا۔ مراد یہ ہے کہ آدمی نے جو کچھ بھی غبن کیا ہے، جو جو کچھ خفیہ خیانت کی ہے وہ کُھل کر ساری سامنے آجائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو جو قوتیں عطا کی تھیں کہ وہ ان کو اس کی بندگی میں استعمال کرے مگر اس نے ان کے ساتھ غبن کیا۔ اس طرح کہ ان کو اپنی خواہشاتِ نفس کی بندگی میں استعمال کیا۔ شیطان کی خوش نودی کے لیے استعمال کیا، اپنے جیسے انسانوں، حکومتوں، برادریوں اور خاندانوں کی بندگی میں اور ان سے مفادات حاصل کرنے میں استعمال کیا، غرض ایک خدا کی بندگی کو چھوڑ کر ہر ایک کی بندگی کر ڈالی۔ یہ سارا غبن اس روز کھل جانے والا ہے، اس پر کوئی پردہ پڑا نہیں رہ جائے گا۔ ایک

شخص نے اپنے سرمایۂ حیات کو اپنی قوتوں اور قابلیتوں کو اور اپنے مال کو جن جن چیزوں میں invest کیا، اس کی غلطی اس روز کھل جائے گی۔ سب کچھ معلوم ہوجائے گا کہ اس نے یہ ساری سرمایہ کاری کس کام میں کی ہے اور اس کے اندر اس نے کہاں کہاں غلطی کی ہے، کہاں کہاں دھوکا کھایا ہے اور کہاں دھوکا دیا ہے۔

اس کے بعد آیت کے اگلے حصے میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہر غبن کھل جانے کے بعد انسان دو حصوں میں تقسیم ہوجائیں گے۔ جو شخص اللہ پر ایمان لایا اور اس کے مطابق نیک عمل کیے تو اللہ اس کے ساتھ یہ معاملہ کرے گا کہ:

يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ، اس کی برائیاں اس سے دُور کر دے گا۔ اس کے حساب سے ساقط کر دے گا، اور اس کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔

گناہوں کا کفارہ

''برائیاں دُور کر دے گا'' کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک آدمی سچے دل سے اللہ پر ایمان لایا اور اس ایمان کے ساتھ اپنی پوری کوشش عملِ صالح بجالانے میں انجام دی، لیکن اس کے بعد بشریت کی کمزوری کی بنا پر اس سے کچھ قصور بھی سرزد ہوگئے تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اس سے دُور کردے گا، یعنی ان کی باز پُرس اس سے نہیں کی جائے گی۔ یہ معاملہ اللہ، مومن اور وفادار بندے کے ساتھ کرے گا۔

احادیث میں اس بات کی تفصیل آتی ہے اور قرآنِ مجید میں بھی اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ بڑی حد تک ایک مومن صالح کی غلطیوں اور خطاؤں کا کفارہ اسی دنیا میں وہ تکلیفیں بن جاتی ہیں جو اس کو پیش آتی ہیں۔ ایک کانٹا بھی اس کو چبھا تو اس کے بدلے میں اس کا ایک گناہ معاف کر دیا گیا۔ کوئی صدمہ یا رنج اس کو پہنچا، کسی نے اس کو تکلیف دی، اس کو گالی دی، لیکن اس نے اس پر صبر کیا اور اس کا بدلہ نہیں لیا، تو اس طرح قسم قسم کی جو تکلیفیں اس دنیا میں آدمی کو پہنچتی ہیں، یہ ساری چیزیں اس کے کسی نہ کسی گناہ کا کفارہ بن جاتی ہیں۔ آدمی کے وہ گناہ یا قصور اس دنیا میں بھی اس کے نامۂ اعمال سے خارج کردیے جاتے ہیں تاکہ آخرت کی عدالت میں بندے کو لوگوں کے

سامنے رسوا بھی نہ کیا جائے اور سزا بھی معاف کر دی جائے۔ اس کے بعد بھی اگر اس کے حساب میں کچھ بچا رہ گیا تو اللہ تعالیٰ اسے ویسے ہی معاف فرما دے گا۔ لیکن اللہ جل شانہٗ کا یہ سارا معاملہ اس بندے کے حق میں ہے جو خلوص کے ساتھ ایمان لایا اور اس نے اپنی حد تک کوشش کی کہ اس سے کوئی دانستہ کوتاہی سرزد نہ ہو کیونکہ دانستہ کوتاہی معاف نہیں ہوگی۔ اور جو خطائیں بشری کمزوری کی بنا پر اس سے سرزد ہوئیں اور وہ ان کی معافی مانگنے اور توبہ کرنے سے رہ گیا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو معاف کر دے گا اور اپنی جنت میں داخل کرے گا، وہ جنت جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ''جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے''۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ جنت کی زندگی کبھی ختم ہو جائے گی۔ نہیں، بلکہ وہ ابدی زندگی ہوگی۔ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ''یہی اصل بڑی کامیابی ہے''۔ یعنی دنیا میں کسی کا جایداد بنا لینا، ساری دنیا کا حکمران ہو جانا، یہ کوئی کامیابی نہیں ہے۔ کامیابی یہ ہے کہ آدمی خدا تعالیٰ کی جنت میں داخل ہو، اور ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی اس کو حاصل ہو جائے۔

سرکشی کا انجام

اس کے برعکس جن لوگوں نے کفر کیا، اس کی ہدایت کو ماننے سے انکار کیا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ بغاوت اور سرکشی کا رویہ اختیار کیا اور وفادار بندہ بننے سے انکار کیا، ان کے بارے میں فرمایا: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (۱۰) ''اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا، وہ دوزخ میں جانے والے لوگ ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ بدترین ٹھکانا ہے''۔

یہ سب کچھ یوم التغابن کو ہوگا۔ اس روز لوگوں کی ہار جیت کا فیصلہ ہوگا۔ اس روز یہ فیصلہ ہوگا کہ جو لوگ کھرے اور خالص مومن ہیں اور جنھوں نے اپنی حد تک عملِ صالح کرنے کی پوری پوری کوشش کی ہے ان کا ایک انجام ہوگا ـــــ اور جن لوگوں نے کفر اور تکذیب کا راستہ اختیار کیا اُن کا دوسرا انجام ہوگا۔ پہلے لوگ اللہ کی نعمت بھری جنتوں میں داخل ہوں گے اور کامیابی ان کے حصے میں آئے گی، جب کہ دوسری قسم کے لوگ دوزخ میں ڈالے جائیں گے اور ناکامی ان کا مقدر ہوگی۔ العیاذ باللہ!

ھدایتِ قلب

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۱۱۰)) کوئی مصیبت کبھی نہیں آتی مگر اللہ کے اذن ہی سے آتی ہے۔ جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہو، اللہ اس کے دل کو ہدایت بخشتا ہے، اور اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔

یہاں سے سورۂ تغابن کا دوسرا رکوع شروع ہوتا ہے۔ اس میں اس صورتِ حال کے بارے میں کلام کیا گیا ہے جس سے اس دور میں مسلمان گزر رہے تھے اور اسی کے مطابق اہلِ ایمان کو اہم ہدایات دی گئی ہیں۔

فرمایا گیا کہ دنیا میں جو تکلیف اور مصیبت کسی پر آتی ہے خواہ وہ بیماری کی شکل میں ہو یا دوسرے نقصانات کی صورت میں ہو، وہ اللہ کے اذن کے بغیر نہیں آتی۔ اسی طرح اگر کسی قوم پر کوئی آفت آتی ہے یا بحیثیتِ مجموعی سارے انسانوں پر کوئی آفت ہوتی ہے تو اس میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر ظہور میں آئے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا مالک و خالق ہے اور سارا اقتدار اسی کے ہاتھ میں ہے، اس لیے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ اس کائنات میں کوئی واقعہ بغیر اس کے ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہونے دے، اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک واقعہ جب پیش آ جائے تب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو کہ میری سلطنت میں فلاں واقعہ پیش آیا ہے۔ نہیں، بلکہ یہاں جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے اور اس کی منظوری سے ہوتا ہے۔

وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۭ ، اور جو شخص بھی اللہ پر ایمان لائے اللہ تعالیٰ اس کے دل کی رہنمائی کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اصل رہنمائی انسان کے دل کی رہنمائی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ وہ ایمان لانے والے کو صبر کی ہدایت دیتا ہے، اس کی توفیق بخشتا ہے۔ اس کو عدل اور حق پر قائم رہنے کی ہدایت دیتا ہے اور اس کے مطابق اس کو عزم اور ہمت کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ وہ اس کو سیدھا راستہ بتاتا ہے کہ تیرے لیے دنیا میں کام کرنے کا صحیح راستہ یہ ہے اور پھر اس کو یہ ہدایت بھی دیتا ہے کہ سیدھے راستے کو اختیار کرنے میں اسے خواہ کسی قسم کی مشکلات پیش آئیں اس کو اسی راستے پر

قائم رہنا ہے۔ یہ ساری ہدایات اللہ تعالیٰ اس شخص کو دیتا ہے جو اس کے اُوپر ایمان لاتا ہے۔ وہ اس کے قلب میں وہ روشنی پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ اپنا راستہ ٹھیک ٹھیک دیکھ سکے۔ اس کے بعد اس کو توفیق دیتا ہے کہ اس کے سامنے جو حقیقت واضح ہو کر سامنے آ چکی ہے، وہ اس کو اختیار کرے اور مضبوطی کے ساتھ اس پر قائم رہے۔ یہ سب ہدایتِ قلب کے معنی ہیں۔

اس سے یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ اگر ایک شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان ہی نہ لائے تو اس کے قلب کو کوئی روشنی نہیں ملتی۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ اس کا نفس اس کو جدھر لے جاتا ہے اُدھر اُدھر وہ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی رہنمائی اسی وقت کرے گا، جب کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرے، اس پر ایمان لائے، اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دے اور اس کی رہنمائی قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ تب اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دیتا ہے۔

پھر فرمایا: وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ''اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے''۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ کون اس پر سچے دل سے ایمان لایا ہے، کس نے اس پر اعتماد کر کے اس کی طرف رجوع کیا ہے، اور کون اس کی رہنمائی حاصل کرنے کا طالب ہوتا ہے۔ یہاں بحث اس سے نہیں ہے کہ کون زبان سے کہہ رہا ہے کہ وہ اس پر ایمان لایا، اور اس سے بھی بحث نہیں ہے کہ کس کا نام مومنین کے رجسٹر میں لکھا ہوا ہے کہ وہ مردم شماری میں مسلمان ہے۔ اصل چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ براہِ راست اس بات کا علم رکھتا ہے کہ کون واقعی اس پر ایمان لایا ہے، واقعی اس پر اعتماد رکھتا ہے، و اقعی اس کی رہنمائی کا طالب ہے۔ کوئی دوسرے تصورات، خیالات اور خواہشات تو اس کے اُوپر غالب نہیں ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ محض ایمان کے دعوے سے دھوکا کھانے والا نہیں ہے، وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

پھر یہ ارشاد کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے، اس معنی میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی صحیح معنوں میں انسان کی رہنمائی کر سکتا ہے کیونکہ وہ علم اسی کے پاس ہے جو رہنمائی کرنے کے لیے درکار ہے۔ دوسرا جو کوئی بھی ہو، اس کا علم جزوی ہے اور ناقص ہے۔ وہ ان تمام حقائق سے واقف ہی نہیں ہے جن کا علم آدمی کی رہنمائی کرتا ہے۔ یہ علم صرف اللہ ہی کو حاصل ہے۔ وہی جانتا ہے کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے، حق کیا ہے اور باطل کیا ہے، انصاف کیا ہے اور بے انصافی کیا ہے۔ اس

لیے انسان کی صحیح رہنمائی صرف وہی کرسکتا ہے۔ دوسرا کوئی یہ کام کرنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا۔

ایمان کا لازمی تقاضا

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ○ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ط وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ (۶۴:۱۲-۱۳) اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو لیکن اگر تم اطاعت سے منہ موڑتے ہو تو ہمارے رسولؐ پر صاف صاف حق پہنچا دینے کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں، لہٰذا ایمان لانے والوں کو اللہ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیے۔

گذشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا کہ جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے اللہ اسی کے دل کی رہنمائی فرماتا ہے۔ اب اس کے بعد یہ فرمانا کہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ ایمان لانے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ آدمی اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرے۔ کیونکہ ایمان لانے سے مراد صرف یہ نہیں ہے کہ آپ نے مان لیا کہ اللہ ہے لیکن یہ کافی نہیں۔ محض زبان سے مان لینے کے اعتبار سے تو آج کفار بھی مانتے ہیں کہ اللہ ہے اور مشرکین بھی اس بات کو مانتے ہیں۔ اللہ کی ہستی کا انکار تو بہت کم ملحدین اور دہریوں نے کیا ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کو دنیا کی آبادی کی عظیم ترین اکثریت مانتی ہے۔ کروڑوں میں سے صرف چند آدمی ایسے ہوں گے جو اللہ کی ہستی کا انکار کرتے ہیں۔ لہٰذا محض اللہ کے ہونے کو مان لینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ یہ بات انسان کی ہدایت کے لیے کافی نہیں ہے۔ محض یہ مان لینے سے کسی کے قلب کو ہدایت نہیں ملتی۔ ہدایت اُسی شخص کو ملے گی جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کا راستہ اختیار کرے۔

اس سلسلے میں یہ بھی سمجھ لیجیے کہ صرف یہ نہیں فرمایا کہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ جیسا کہ اُوپر فرمایا تھا: مَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰہِ یَھْدِ قَلْبَہٗ کہ جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے وہ اس کے دل کی رہنمائی کرتا ہے، مگر یہاں اللہ کی اطاعت کے ساتھ اس کے رسولؐ کی اطاعت کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ اللہ پر ایمان لانے کا تقاضا صرف یہی نہیں ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے بلکہ اس کے ساتھ اللہ کے رسولؐ کی اطاعت بھی لازم ہے۔ کیونکہ اللہ کی طرف سے جو رہنمائی ملے گی وہ رسولؐ کے واسطے سے ملے گی، براہِ راست نہیں ملے گی۔ اس لیے محض اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا مطالبہ نہیں کیا گیا ہے بلکہ اللہ کی

اطاعت کے ساتھ اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کا بھی مطالبہ ہے، کیونکہ یہی وہ ذریعہ ہے جس سے آپ کو معلوم ہوسکتا ہے کہ اللہ کیا چاہتا ہے، اور کیا نہیں چاہتا۔ وہ کس چیز کو پسند کرتا ہے اور کس کو پسند نہیں کرتا۔ یہ چیزیں آپ کو براہِ راست نہیں بتائی جائیں گی بلکہ اللہ کے رسولؐ کے واسطے سے معلوم ہوں گی، اس لیے واضح طور پر حکم دیا گیا اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔

رسولؐ کی ذمہ داری

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (۱۲) لیکن اگر تم منہ موڑتے ہو تو ہمارے رسولؐ پر صرف صاف صاف بات پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔

گویا اس کے بعد ساری ذمہ داری تمھاری ہے۔ اگر اللہ کا رسولؐ کسی بات کو پہنچانے میں نعوذ باللہ کوتاہی کرے تو رسولؐ کی ذمہ داری ہے لیکن اگر رسولؐ نے بات پہنچانے میں کوتاہی نہیں کی ہے تو اس کے بعد رسولؐ پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے کہ تم ہدایت قبول کرتے ہو یا نہیں۔ خدا کی ہدایت کا انکار کر کے اگر اس دنیا میں تم ٹھوکریں کھاؤ تو اس کے ذمہ دار تم ہو۔ کیوں کہ رسولؐ نے تو تمھیں ٹھیک ٹھیک بتا دیا تھا کہ صحیح راستہ کون سا ہے اور غلط راستہ کون سا ہے، حق کیا ہے اور باطل کیا ہے۔ اسی طرح آخرت میں خداوند عالم کے حضور پیشی کے وقت بھی ذمہ داری تمھاری ہوگی کیونکہ آخرت میں رسولؐ بتا دے گا کہ میں نے ان کو ٹھیک ٹھیک تعلیمات پہنچا دی تھیں۔ نہ صرف یہ کہ زبان سے پہنچائی تھیں بلکہ اپنی پوری عملی زندگی کے ذریعے سے بھی پہنچا دی تھیں اور اپنے ایک ایک فعل کے ذریعے سے پہنچا دی تھیں۔ اس کے بعد اپنے اعمال کے ذمہ دار تم خود ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اگر تم منہ موڑتے ہو تو کسی کا کچھ نہیں بگاڑتے، نہ خدا کا کچھ بگاڑو گے، نہ رسولؐ کا کچھ بگاڑو گے بلکہ اپنا ہی کچھ بگاڑو گے۔ اس وقت تمھارا سمجھنا کسی کام نہیں آئے گا۔

الٰہ کا تصور

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ (۱۳) اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی دوسرا الٰہ نہیں ہے۔

الٰہ کا ترجمہ عام طور پر معبود کر دیا جاتا ہے لیکن الٰہ سے مراد دراصل وہ ہستی ہے جو تمام

کائنات کی مالک اور حکمران ہے اور اس بنا پر وہی عبادت کی مستحق ہے۔ گویا ایک تو ہے کس شخص کو معبود بنا لیا جانا، اس معنی میں بھی الٰہ کا لفظ بولا جاتا ہے لیکن حقیقت میں وہ الٰہ نہیں بن جاتا۔ حقیقت میں الٰہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے کیونکہ ساری کائنات کا کلّی اقتدار اور سارے اختیارات بالکل اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ آپ کسی آدمی کے سامنے اس وقت تک نہیں جھکیں گے جب تک آپ کو یہ یقین نہ ہو کہ میرا مفاد اسی کے ہاتھ میں ہے۔ میرا جینا اور مرنا اس کے ہاتھ میں ہے۔ یہ میری تقدیر بنانے والا ہے۔ اگر آپ کو کسی کے متعلق یہ معلوم ہو کہ اُس کے ہاتھ میں کوئی طاقت اور اختیار نہیں ہے تو پھر آپ اس کے سامنے سر کیسے جھکا سکتے ہیں؟

اس لیے قرآن بار بار یہ بات لوگوں کے ذہن نشین کرتا ہے کہ جن چیزوں کے آگے تم جھکتے ہو، ان کو اپنا معبود بناتے ہو، جن سے دعائیں مانگتے ہو، ان کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہو، جن کی اطاعت اور بندگی بجالاتے ہو، ان کے ہاتھ میں سرے سے کچھ ہے ہی نہیں۔ وہ تمھاری تقدیر پر ذرّہ برابر اثرانداز نہیں ہوسکتے۔ اُوپر بیان ہوا ہے کہ تم پر کوئی مصیبت ایسی نہیں آتی جو اللہ کے اذن کے بغیر آجائے۔ تم بیمار پڑتے ہو تو اس کے اذن سے پڑتے ہو، کوئی دوسرا تمھیں بیمار ڈالنے والا نہیں ہے۔ تم تندرست ہوتے ہو تو اس کے تندرست کرنے سے ہوتے ہو، کوئی دوسرا تمھیں تندرست کرنے والا نہیں ہے۔ تمھیں روزگار ملتا ہے تو اس کے دینے سے ملتا ہے، کوئی دوسرا رزق دینے والا نہیں ہے۔ اسی طرح ان تمام پہلوؤں کو دیکھتے ہوئے جب آدمی یہ سمجھتا ہے کہ کوئی دوسرا واقعتاً میرا نفع اور نقصان کرنے کا اختیار رکھتا ہے، تب وہ اس کو الٰہ اور معبود اور آقا اور مالک تسلیم کرتا ہے اور اس کے سامنے سر جھکاتا ہے۔ اب بعض لوگ اس تصور کے اندر انتشار پیدا کرتے ہیں۔ کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی بیماری دینے والا ہے اور کوئی رزق دینے والا اور کوئی اولاد دینے والا ہے۔ کسی علاقے کے فرماں روا کوئی بزرگ ہیں اور کسی دوسرے علاقے کی فرماں روائی کسی اور بزرگ کے سپرد ہے۔ اس وجہ سے وہ ایک ایک آستانے پر جھکتے چلے جاتے ہیں۔ ایک ایک در پر بھیک مانگنے کے لیے پہنچتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ اَللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ، اس کے علاوہ کوئی دوسرا الٰہ سرے سے ہے ہی نہیں، یعنی صرف کسی ایک علاقے کے نہیں، ساری کائنات کے پورے

اختیارات میرے ہاتھ میں ہیں۔ کسی دوسرے کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے کہ کوئی اس کا مستحق ہو کہ اس کو معبود بنایا جائے۔ پھر اسی بنا پر آگے فرمایا کہ اللہ ہی کے اُوپر مومنوں کو بھروسا کرنا چاہیے۔

اللہ پر توکّل

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (۱۳) اور اللہ ہی کے اُوپر مومنوں کو بھروسا کرنا چاہیے۔

''بھروسا کرنا چاہیے'' کے الفاظ بہت وسیع معنی رکھتے ہیں۔ اس معنی میں بھی بھروسا کرنا چاہیے کہ ہدایت دے گا تو وہ دے گا، کہیں اور سے رہنمائی نہیں ملے گی۔ اس معنی میں بھی بھروسا کرنا چاہیے کہ اگر کہیں سے مصائب و مشکلات میں مدد ملے گی تو اسی سے ملے گی، کوئی دوسرا مدد دینے والا نہیں ہے۔ تمھیں حفاظت کی ضرورت ہوگی تو وہی حفاظت کرے گا، کوئی دوسرا حفاظت کرنے والا نہیں ہے۔ اگر آپ دنیا میں کامیاب ہوں گے تو اسی کے کرنے سے ہوں گے۔ دنیا میں کوئی طاقت ایسی نہیں جو اس کی مرضی کے خلاف تمھیں کامیاب کر سکے۔ اسی طرح مومنوں کو ہر لحاظ سے صرف اللہ کے اُوپر اعتماد کرنا چاہیے۔ البتہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس پر اعتماد کر کے آدمی ہاتھ پاؤں ہلانا اور کوشش کرنا چھوڑ دے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنی تمام کوششیں جو اس کے کرنے کی ہیں اور جو قانونِ قدرت کے تحت اس پر لازم آتی ہیں، وہ ان کو ضرور بروے کار لائے مگر نتائج کے لیے صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرے۔ مثال کے طور پر آپ بیمار پڑتے ہیں اور ڈاکٹر کے پاس علاج کے لیے جاتے ہیں لیکن آپ کا اعتماد ڈاکٹر پر نہیں اللہ تعالیٰ پر ہونا چاہیے۔ اگر اللہ تعالیٰ ڈاکٹر کی دی ہوئی دوا کو آپ کے لیے مفید بنائے گا تو وہ مفید ہوگی۔ ڈاکٹر انسان کے جسم کی اندھیری کوٹھڑی کے اندر بغیر دیکھے بھالے علاج و دوا کے جو تیر چلاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ٹھیک نشانے پر بٹھا دے تو آدمی تندرست ہوجاتا ہے، ورنہ سارے تیر ہدف سے پرے جا کر گرتے ہیں۔ خود ڈاکٹر بیمار ہوتے ہیں اور علاج کی ہر سہولت ہونے کے باوجود نہیں بچتے۔ بڑے بڑے ہسپتالوں میں مریضوں کے علاج ہوتے ہیں لیکن کامیاب نہیں ہوتے۔ جب اللہ تعالیٰ علاج کو کارگر اور کامیاب کرے تب کامیابی ہوتی ہے اس لیے صحت و شفا اللہ کے سوا کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ یہی صورت دوسرے سارے معاملات کی ہے۔

انسان کا کام یہ ہے کہ قانونِ فطرت کی رُو سے جو کام اس کے سپرد کیا گیا ہے اس کو وہ کرے اور نتیجے کو اللہ پر چھوڑ دے۔ ایک اور مثال دیکھیے۔ فطرت کے قانون کے مطابق ایک کاشت کار کے سپرد یہ کام کیا گیا ہے کہ وہ زمین میں ہل چلائے، بیج بوئے، اس کو پانی دے، اور کھیتی کی دیکھ بھال کرے۔ یہ سارے کام قانونِ فطرت نے اس کے حوالے کیے ہیں۔ وہ یہ کام انجام دے لیکن اس کے بعد اس کا یہ اعتماد اللہ پر ہونا چاہیے کہ اس کھیت سے فصل وہ پیدا کرے گا۔ کوئی دوسری طاقت یہ کام نہیں کرسکتی۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک اشارہ ہوجائے تو وہ ساری کھیتی برباد ہوجائے گی۔ اللہ تعالیٰ پانی نہ برسائے تو کھیتی پھل پھول نہیں سکتی۔ بیسیوں طاقتیں ایسی ہیں کہ جب تک وہ موافقت نہ کریں اس وقت تک آپ کی کھیتی سرسبز نہیں ہوسکتی اور پیداوار نہیں دے سکتی۔ تو اللہ تعالیٰ پر اعتماد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائے اور کہے کہ میں نے اللہ پر بھروسا کرلیا ہے۔ نہیں، بلکہ اللہ پر اعتماد کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو خدمت آپ کے سپرد کی ہے اس کو پوری طرح بجالائیں۔

اب ایک اور رُخ سے دیکھیے۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے سپرد یہ خدمت کی ہے کہ وہ اللہ کے دین کو کامیاب کرنے کے لیے اپنی جان لڑانے کے لیے تیار ہوں اور اس کے لیے جو کچھ تدبیریں ممکن ہیں وہ پوری بروے کار لائیں۔ خدا کی راہ میں لڑنے والی فوج کی پوری تنظیم کریں، اس کو پوری طرح ہتھیار فراہم کریں اور اس کے علاوہ جو جو کام آپ کے کرنے کے ہیں وہ سارے انجام دیں تب فتح دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ وہ آپ کو فتح یاب کرے گا تو آپ فتح مند ہوں گے ورنہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح نہ آئے تو آدمی خود اپنی کسی تدبیر سے کامیاب نہیں ہوسکتا خواہ وہ اپنا کتنا ہی زور لگالے۔ اس لیے زندگی کے ہر معاملے میں اہلِ ایمان کا توکل اللہ تعالیٰ ہی پر ہونا چاہیے (جاری)۔ (جمع وتدوین: حفیظ الرحمٰن احسن)